© rasailojaraid.com

سفر حجاز۔۔۔۔ ایک بے مثل سفر نامہ

ڈاکٹر تحسین فراقی

شعبہ اردو اورینٹل کالج جامعہ پنجاب لاہور

اردو میں سفر نامے کی باقاعدہ روایت کا آغاز انیسویں صدی کے وسط سے ہوا اور یوسف خاں کمبل پوش اس اعتبار سے اردو کا پہلا سفر نامہ نگار بنتا ہے' بلکہ اس کا سفر نامہ 'سفر نامے کی نسبت سیاحت نامے کے زیادہ قریب ہے' کیونکہ اہل نقد کے نزدیک سیاحت من کی موج اور باطن کی آواز کے نتیجے میں اختیار کی جاتی ہے' جبکہ سفر میں بالعموم ایک طرح کی خارجی مجبوری کو دخل ہوتا ہے۔

اردو کے بیشتر سیاح اس من کی موج پر رہ نورد سفر ہوئے۔ سفر ان میں سے بیشتر کے لیے ایک مذہبی حکم کی حیثیت رکھتا تھا اور یہ سفر' جیسا کہ سید سلیمان ندوی نے عبدالماجد دریابادی کے سفر حجاز کے دیباچے میں لکھا ہے "اصل میں ابتداء حجاز مقدس کی زیارت ہی کے لیے اختیار کیے جاتے تھے" چنانچہ "ابن حوقل بغدادی' اصطخری فارسی' حکیم ناصر خسرو' ابن جبیر اندلسی' ابن بطوطہ مغربی اور بیسیوں سیاح اس قسم کے ہیں جنھوں نے اپنے سفر کا آغاز اسی نیت سے کیا اور پھر جب سیر و سیاحت کی چاٹ لگ گئی تو دنیا کے گوشے گوشے کو چل پھر کر دیکھ لیا اور اپنے مشاہدات کو سفر نامہ کی صورت میں قلمبند کر دیا۔(۱)

اردو کے قدیم سفر نامے اپنے اندر دلچسپی کا کافی سامان رکھتے ہیں' مگر ان میں معلومات کا طومار دلچسپی کی دھار کو کہیں کہیں ضرور کند کر دیتا ہے۔ اس نوعیت کے سفر ناموں میں' جن میں سے بعض دراصل گائیڈ بکس ہیں' مقامات کی تفصیل' مسافروں کے لیے مراعات' مختلف ممالک اور شہروں کی "مکمل" اور "صحیح" مردم شماری کے کوائف' نقشے' شہروں کے آپس کے فاصلے اور ان مقامات کی تاریخ اور جغرافیائی محل وقوع کی اس قدر گراں بار تفصیلات ملتی ہیں کہ ان سے سیاحت کا مقصد ایک حد تک تو بہر حال مجروح ہوتا ہے۔ چنانچہ جس طرح قدیم اردو سفر نامے گرانبار تاریخی و جغرافیائی معلومات اور بے رس تفصیلات تلے کراہتے نظر آتے ہیں اسی طرح کی صورت حال اردو کے پرانے سفر نامہ ہائے حج کی بھی ہے' جبکہ حج و زیارت کا یہ سارا سفر تو عبارت ہی ہے وجود کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نو دریافت سے!

مشہور فارسی شاعر ناصر خسرو حج سے لوٹنے والے ایک دوست سے ملنے گیا۔ دوران ملاقات اس نے دوست سے پوچھا:

"یہ تو بتاؤ اس مقدس سرزمین پر تم نے مناسک حج کس طرح ادا کیے؟ جب تم نے عام لباس تج کر احرام پہنا تو تمہارے کیا تاثرات تھے؟ کیا تم ان تمام محرمات سے بچے رہے جن سے ممانعت کا حکم آیا ہے؟ کیا تم نے عجز و تسلیم کا وہی انداز اپنایا تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار کیا تھا۔ کیا میدان عرفات میں تم عارف حق اور منکر خویش ہونے کے تجربے سے گزرے؟ کیا حرم میں داخل ہوتے وقت تم نے اپنی انانیت کو اصحاب کہف و رقیم کی طرح تج دیا تھا؟ کیا تم نے جانور کی قربانی کرتے وقت اپنے نفس لئیم کو بھی ذبح کیا؟ اب جبکہ تم کعبے سے لوٹ آئے ہو کیا تم اپنا نفس دنی دفن کر کے آئے ہو اور کیا تم دوبارہ کعبہ جانے کے ملئے بے قرار ہو؟ دوست نے جب ان سب سوالوں کا جواب نفی میں دیا تو ناصر خسرو کو کہنا پڑا: افسوس کہ تم نے اپنا پیسہ اور وقت برباد کیا اور حج کی سعادت سے محروم رہے۔ (۲)"

حقیقت یہ ہے کہ زیارت حرمین کا مقصد وحید ذات کے نئے عرفان اور باطن کی قلب ماہیت سے عبارت ہے۔ یہیں آ کے فرد نشاۃ ثانیہ اور خلق جدید کے مرحلے سے گزرتا ہے اور یوں نشاۃ ثانیہ کے اس دائرے میں فرد کی ذات سے پھیل کر پوری ملت اسلامیہ اور بالآخر پوری نوع انسانی کا احاطہ کرنے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ حج تو نام ہی ہے کلی انسانی وجود کے کیمیا ہو جانے کا۔ یہ عبارت ہے شناخت سے عدم شناخت اور رنگ سے بے رنگی تک کے اس مرحلے سے جس کے نتیجے میں سب سے بڑی شناخت یعنی صبغۃ اللہ کا حصول ممکن ہوتا ہے اور تحقیق کہ من احسن من اللہ صبغۃ۔ علی شریعتی نے لکھا ہے:

"حج عبارت ہے انسان کے اللہ کی جانب سفر عروجی سے۔ یہ دراصل تخلیق آدم کے فلسفے کا تخلیقی اظہار ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ حج بیک وقت بہت سے حقائق کا مظہر ہے۔ یہ مظہر ہے تخلیق کا، یہ مظہر ہے تاریخ کا، یہ مظہر ہے توحید کا اور یہ مظہر ہے اسلامی وحدت اور امت محمدیہ ﷺ کی یک دلی اور ہم احساسی کا۔" (۳)

اردو میں حج کے ایسے سفرنامے جن میں: ز چشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن۔ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منم و ہمیں تمناکہ بوقت جاں سپردن
بہ رخ تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

کی کیفیتوں کی جھلیاں بھری ہیں، انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ ان سفرناموں میں حافظ لدھیانوی کا جمال حرمین، شورش کاشمیری کا "شب جائے کہ من بودم" ماہر القادری کا "کاروان حجاز" حافظ لھیرپوری کا "اس دیار میں" ناصر قریشی کا "سرزمین آرزو" ممتاز مفتی کا "لبیک" نسیم حجازی کا "پاکستان سے دیار حرم تک" اور مولانا عبدالماجد دریابادی کا "سفر حجاز" بہت اہم ہیں۔ مولانا دریابادی کا سفرنامہ حج کے مندرجہ بالا سفرناموں میں گل سرسبد کی حیثیت بھی رکھتا ہے اور اولیت کا شرف بھی۔

میری دانست میں کامیاب سفرنامۂ حج وہی ہے جس میں مسافر حرمین نے اپنی کاوشیں اور کاہشیں، اپنے دیدۂ تر کی بے خوابیاں، اپنے قلب کی پوشیدہ بے تابیاں، اپنے احساس گناہ، شرم عصیان، خالق سے وصل کی شدید تمنائیں اور حضور اکرم ﷺ کی ذات سے کمال وابستگی اور سپردگی کے احساسات پوری فنکارانہ مہارت سے سموئے ہوں اور جس سے اس کے قارئین کو باور ہو جائے کہ حج وزیارت حرمین کن مقاصد عالیہ کے حصول کا ذریعہ ہے۔ گویا یہ رجعت الی اللہ کا سامان فراہم کرتا ہے۔ حج کی اس معنویت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے جیلانی کامران نے لکھا ہے:

"یافت اور نایافت کی جس کشمکش سے انسانی زندگی عمر بھر گزرتی ہے وہ ارض مقدس ہی کے درو بام، وادی و کوہسار و صحرا سے سکون حاصل کرتی ہے۔ ایسی گہری وارفتگی قلب ارض مقدس کے جغرافیائی رشتوں کو بدل دیتی ہے اور اسے زیادہ بلند، زیادہ گہرے، زیادہ پائیدار رشتوں میں قبول کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام میں پیدا ہوتی ہوئی ہر نسل ارض مقدس میں پیدا ہوتی ہے اور اپنے آبائی وطن سے بہت پہلے اس روحانی وطن میں وارد ہوتی ہے۔ عالم اسلام کی نسلوں کا بچپن ارض مقدس کی اجتماعی یادداشت میں پرورش پاتا ہے اور عمر کے زیادہ پختہ مقام نظر پر بچپن کی حاصل کی ہوئی اجتماعی یادداشت کی مدد سے آبائی اور روحانی وطن کی وحدت ظاہر ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی فکری تاریخ اسی وحدت کی تاریخ رہی ہے (۴)۔"

مولانا دریابادیؒ نے ۱۹۲۹ء حرمین کا سفر مقدس اختیار کیا۔ تشکیک وارتیاب کی وادی سے گزرے ابھی انہیں زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ اس سفرنامے میں ان کے سابقہ الحادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میلانات اور اظہارات کی یاد نے ان کے احساس ندامت کی لو کو اور بھڑکا دیا۔ "سفر حجاز" میں مولانا ایک عبد عاجز ایک فرد آثم اور مسلم ملت کی حیات تازہ کے خواب دیکھنے والے ایک ایسے عالم دین کے طور پر نظر آتے ہیں جو مسلم ملت کے زوال پر بے حد دل گرفتہ ہیں۔ انہیں ایک سچے مسلمان کی طرح کامل یقین ہے کہ وہ جس آستانے پر پہنچے ہیں وہاں سے مرادیں حاصل کیے بغیر کیسے لوٹ سکتے ہیں۔ وہ روضہ رسول ﷺ کے سامنے اپنا دل چیر کر رکھ دیتے ہیں۔ مولاناؒ کا یہ سفر نامہ ان کے قلب کے گہرے احساسات و تاثرات کا ایک ایسا روشن اور لطیف آئینہ ہے جس میں عاشقان ذات حق اور محبان رسول رحمت ﷺ اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ مولاناؒ کا کمال یہ ہے کہ ان کی یہ داستان سفر حجاز ایک فرد کی نہیں، ایک پوری نادم اور فرومایہ ملت کی داستان درد بن جاتی ہے۔ حج کا یہ سفر نامہ اصل میں مقامات و افراد کے ذکر سے زیادہ محبت اور والہانہ شیفتگی کا سفر نامہ ہے اور شیفتگی کا یہ سامان تو چودہ صدیوں سے مسلمانوں کا سرمایۂ افتخار ہے۔

اس مقدس سفر کا مقصد کیا تھا، سب جانتے ہیں یہ سفر خیر طلبی اور نفس کی کدورتوں سے زنگ اتارنے کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔ علمی تحقیق و تفتیش یا دنیا طلبی کے لئے نہیں تھا۔ یہ سفر بقول مولانا دریابادی:

> "چلچلاتی ہوئی ریگ والی سرزمین کی طرف تھا، گرمی کے موسم میں آسمان کی چھت کے نیچے تھا جس کا آفتاب تمتمایا ہوا ہوتا ہے۔ ہوٹلوں اور پارکوں، آبشاروں اور سبزہ زاروں کی طرف نہ تھا خشک اور چٹیل میدانوں کے بے آب و گیاہ ویرانوں اور خاک برسانے والے ریگستانوں کی جانب تھا۔ ایک گناہگار امتی اپنے شفیع و شفیق آقا کے آستانے پر حاضر ہو رہا تھا۔ بندے کی حاضری اپنے مولا کے دربار میں تھی۔ بھاگا ہوا غلام تھک کر اور ہار کر، پچھتا کر اور شرما کر اپنے مالک کی طرف رخ کر رہا تھا"۔ (۵)

حجاز مقدس کا یہ سفر رنگ، نسل، لباس اور لسان کی رنگارنگی کو کس طرح وحدت میں ڈھال دیتا ہے اور تمدن کی مصنوعی دیواروں کو کس طرح گرا دیتا ہے، اس پر مولاناؒ کے تاثرات ملاحظہ فرمایئے:

> "دیکھتے ہی دیکھتے لباس و پوشش کے سارے امتیازات مٹ گئے، سنتے چلے آئے ہیں کہ الناس باللباس .... اب کس لباس سے خادم کو مخدوم سے پہچانا جائے گا اور کس پوشاک سے غلام کو آقا سے الگ کیا جائے گا۔ ابھی کل تک جہاز کی اس وسیع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آبادی میں بڑے بھی تھے اور چھوٹے بھی' امیر بھی تھے اور فقیر' بھی رئیس بھی اور مزدور بھی' خوشحال بھی اور مفلس بھی' عالم بھی اور جاہل بھی' نامور بھی اور گمنام بھی' تعلقہ دار بھی اور رعایا بھی' مجسٹریٹ بھی اور چپراسی بھی' پر آج کسی کو کس سے شناخت کیا جائے۔ سب سے بڑے مہاراجہ اور شہنشاہ اعظم کی راجدھانی کے حدود شروع ہو گئے۔ اب نہ کوئی راجہ ہے نہ ٹھاکر' سب کے سب اسی کی پرجا' کل کے کل اسی کے چاکر' سارے کے سارے اسی کی رعایا ہیں' مالک کے دربار کی سرحدیں شروع ہو گئیں۔ اب نہ کوئی امیر ہے نہ کوئی وزیر' نہ کوئی عالم ہے نہ کوئی حاکم' نہ کوئی خان بہادر ہے نہ کوئی لیڈر' سارے کے سارے اسی مالک الملک کے غلام ہیں۔۔۔۔ اب نہ ہیٹ ہے نہ پگڑی' نہ عمامہ ہے نہ شملہ' نہ ترکی ٹوپی ہے نہ گاندھی کیپ' نہ قمیض ہے نہ عبا' نہ کوٹ ہے نہ شیروانی' نہ کالر ہے نہ ٹائی' نہ پتلون ہے نہ پاجامہ' سب کی زبان پر لبیک لبیک کے ترانے ہیں اور سب کے جسموں پر بے سلی دو دو چادریں...... اس دربار کی وردی سب سے انوکھی' سب سے نرالی سب سے الگ ہے۔ یہاں قدر زریں کلاہوں کی نہیں۔ یہاں عزت رنگیں قباؤں کی نہیں' یہاں طلب صرف کفن پوشوں کی ہے۔ ان کی جو جیتے جی مردوں کا لباس پہن چکے ہیں.... مبارک ہیں وہ جو زندگی میں اپنے نفسوں کو مردہ کر چکے ہیں۔ ان کا نفس بھی تو مردہ نفس بن چکا ہے۔ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ لڑنا جھگڑنا' شہوتوں اور خواہشوں میں مبتلا ہونا زندوں کا کام ہے۔ مردوں کو بھی کسی رفث اور فسوق اور جدال میں مبتلا دیکھا ہے؟" (۶)

مولانا دریابادیؒ کے اس اقتباس سے مجھے معاً ڈاکٹر علی شریعتی کے وہ تاثرات یاد آتے ہیں جو ان کی معرکہ آرا کتاب "حج" میں ایک جگہ مرقوم ہیں اور جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم فانی انسانوں نے اپنے ارد گرد بہت سی دیواریں چن رکھی ہیں: رنگ و نسل کی دیواریں' لباس و عدات کی دیواریں' آقا و غلام کی دیواریں' ظالم و مظلوم کی دیواریں' استحصال کرنے والوں اور استحصال کا شکار ہونے والوں کی دیواریں' قوی اور کمزور کی دیواریں' نعمتیں پانے والوں اور بھوکے رہنے والوں کی دیواریں' عزت اور حقارت کی دیواریں' عرب اور عجم کی دیواریں (۷)۔ ہاں رنگا رنگ متنوع لباس بھی مصنوعی دیواریں پیدا کرتا ہے جس سے لوگوں کے مابین مغائرت جنم لیتی ہے اور من و تو کے امتیازات پیدا ہوتے ہیں۔ سچا حج ان دیواروں' ان تمام دیواروں کو گرا دیتا ہے!!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذرا تصور فرمایئے انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سفید رنگ سمندر کا ______ سفید رنگ جو سب رنگوں کے یکجا ہونے سے وجود میں آتا ہے۔ جو اعلیٰ روحانیت کی علامت اور کثرت فی الوحدت کا مظہر ہے۔

مولانا دریابادیؒ کے حج کا یہ سفر نامہ ایک سطح پر ایک تاسف نامہ کا گہرا تاثر پیدا کرتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مسلم کلچر کے زوال نے ان کی پوری شخصیت کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ حرم کعبہ اور روضہ رسول ﷺ پر پہنچ کر جو تمام ملت کے افراد کا مرکز اعظم اور مرکز واحد ہے' ہر سوچنے والا دماغ اور درد دل رکھنے والا فرد غور کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وسیع کرہ ارض پر پھیلی ہوئی مختلف رنگ اور نسل و لباس اور لسان' عادات اور آداب کی حامل اس بے کراں اور رنگارنگ لہریے پیدا کرتی امت کو ایک کثیر مدت تک ایک مرکز پر یکجا کرنے والے دین کے پیرو آج زوال اور محکومی کی چکی میں کیوں پس رہے ہیں؟ کیا کیا ممالک 'کیا کیا تمدنی مراکز مسلم ملت کے ہاتھ سے چھن گئے۔ جدہ کی زیارت مولانا دریابادیؒ کو مسلم ماضی کی طرف مراجعت پر مجبور کرتی ہے۔ شعور کی رو انہیں بغداد و قرطبہ' بیروت و بیت المقدس' اور بصرہ و بیجاپور کے اس دور کی طرف لے جاتی ہے جب ان مراکز نے مسلم تہذیب کی عظمت اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی لیکن جن کی حالت آج "موز کی آخری سسکی (The Last Sigh of the Moor) سے مماثل ہو کر رہ گئی ہے۔ مولانا کے اس گہرے اور دلدوز تاسف کی تہہ میں مسلم عظمت کی باز آفرینی کی خواہش شدت سے کروٹیں لے رہی ہے۔ تاسف اور ملال کا یہ رنگ اور زوال و ادبار کی یہ گھٹا آج بھی اس سفرنامے کی تسوید کے تقریباً' ستر برس بعد بھی اس طرح چھائی ہوئی ہے اور حج کے بعض جدید سفرناموں میں بھی وہی آواز گونج رہی ہے جو ایک عرصہ پہلے مولانا دریابادی کے اس سفرنامے میں ابھری تھی۔

ایلی ایلی لما شبقتنی کی کامل مصداق!

اقبال نے فرنگ کی لامرکزیت کا سبب اس کا بے حرم ہونا قرار دیا تھا:

"تہی وحدت سے ہے اندیشہ غرب کہ تہذیب فرنگی بے حرم ہے'

مگر ملت اسلامیہ تو ایک حرم' ایک مرکز رکھتی ہے۔ پھر یہ وحدت سے کیسے تہی ہو گئی؟ یہ ہمارے آپ کے سب کے سوچنے کا کام ہے۔ مولانا دریابادیؒ کا 'سفر حجاز' اور بعض دیگر سفرنامہ ہائے حج کی سب سے بڑی دین یہی ہے کہ یہ ہماری دلوں میں احساس زیاں اور کرب زوال پیدا کر کے ہمیں ایک نئی اور تازہ تر حیات کے آغاز کا حوصلہ دیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سفر حجاز کے بعض ابواب اپنی تاثر آفرینی کے ضمن میں بے مثال قرار دیئے جا سکتے ہیں مثلاً الوداع، مدینہ، دیار حبیب ﷺ اور چل چلاؤ وغیرہ۔ الوداع کے باب سے دعا کا ایک قرینہ ملاحظہ ہو:

"مردوں کو جلانے والے مالک! مایوسوں کو خوش خبری دینے والے مولا، بیکسوں کی دستگیری کرنے والے آقا! دلوں کے زخموں پر مرہم رکھنے والے پروردگار تجھ سے بھاگا ہوا تیرا نافرمان غلام تیرے اور تیرے حبیب ﷺ کے آستان پاک پر سر رکھنے کو حاضر ہو رہا ہے۔ دعاؤں کا قبول کرنا تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور دعاؤں کی توفیق دینا بھی تیرے ہی ہاتھ میں:

اے خدائے پاک بے انباز و یار   دست گیر و جرم مارا در گذار
یاد دہ مارا سخن ہائے رقیق   کہ ترا رحم آورد آں اے رفیق
ہم دعا از تو، اجابت ہم زتو   ایمنی از تو، مہابت ہم زتو
گر خطا گفتیم، اصلاحش تو کن   مصلحی تو از تو اصلاح سخن (۸)

لیکن مولانا دریابادی کے اس سفرنامے میں ذاتی اور ملی تاسف کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ انھوں نے اپنے مرقع نگار قلم سے سواد مکہ و مدینہ اور جوار عرب کی خوب منظر کشی کی ہے۔ تاریخی واقعات اور جغرافیائی حقائق پر ان کی نظر گہری ہے۔ مقامات مقدسہ کا ذکر آیا ہے تو کوئی قابل ذکر مقام بغیر تفصیلی ذکر اور مناسب معلومات کے چھوڑا نہیں گیا۔ جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کا ذکر آیا ہے تو جہاں قبر پرستی اور قبہ آرائی کی مذمت کی ہے وہیں اس وقت کے حکمران (ابن مسعود) کی قبر شکنی اور مبارک مزارات کو شکستہ کھنڈروں بلکہ گھوروں تک میں تبدیل کر دینے پر ماتم اور احتجاج بھی کیا ہے۔ روضۂ رسول ﷺ کا ذکر کیا ہے تو جہاں اس سے اپنی اٹوٹ چاہت کا ذکر کیا ہے، وہیں ملا علی قاریؒ، عیاض مالکیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے استشہاد کر کے زیارت روضۂ رسول کے آداب بھی واضح کر دیئے ہیں۔ حرمین شریفین سے تمام تر عقیدت اور محبت کے باوجود مولاناؒ نے حزم واحتیاط اور آداب زیارت کو کلیتہً ملحوظ رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاثیر اور گداز کے باب میں بہت کم سفرنامے اس کے مقابل رکھے جا سکتے ہیں۔ اس ضمن میں مولانا دریابادی کے نام حسرت موہانی کے ایک غیر مطبوعہ مکتوب کا اندراج بے محل نہ ہو گا جو یکم مارچ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۳۲ء کو لکھا گیا تھا:

''السلام علیکم!

سفر حجاز کے متعلق آپ کے مضامین ''سچ'' میں نظر سے گزرے تھے مگر اس وقت ان کے مطالعے میں تسلسل کا عنصر موجود نہ تھا۔

اب پرسوں محبی ظفر الملک صاحب سے لے کر ان کو ایک بار پھر کتابی شکل میں دیکھا تو آنکھوں کو کچھ اور ہی عالم نظر آیا۔ جزا کم اللہ فی الدارین کئی بار آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوئیں، فالحمد للہ علی ذالک (۹)

اسی طرح مولانا مسعود عالم ندوی نے سفر حجاز کے تاثیر و گداز میں ڈوبے ہوئے اسلوب کا ذکر یوں کیا تھا۔

''صبح کو امیر شکیب ارسلان کا سفر نامہ حج (الارتسامات اللطاف فی خاطر الحاج الی اقدس مطاف) پڑھتا رہا۔ زبان و بیان کی خوبی کے کیا کہنے مگر سوز و درد کی کمی محسوس ہوئی۔ سفر حج کی روداد یں بہت پڑھی ہیں مگر اب تک دل و دماغ پر جو اثر مولانا عبد الماجد دریابادی کے سفر نامہ حج کا ہے، اسے امیر شکیب کی بلاغت محو نہیں کر سکتی۔ (۱۰)

مختصر یہ کہ سوز و گداز کی یہ لہر بہر سفر حجاز میں جاری و ساری ہے۔ پورے سفر نامے کا مرکزی نقطہ یہی ہے کہ مسلمان ادبار و پستی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکل سکیں گے؟ یہ سوال جتنا سنگین کل تھا، اتنا ہی آج بھی ہے:

''مکہ کے مہاجر کو اپنے رب کا نام پکارنے، توحید کا کلمہ بلند کرنے کو قبا کا ایک ٹھکانا مل گیا تھا۔ کیا اس محبوب کی امت میں کوئی قبا نہیں اور اسے خدانخواستہ ہمیشہ بھٹکتے ہی رہنے دیا جائے گا (۱۱)''

حواشی

(۱) دیباچہ سفر حجاز، ص ۷-۸

(۲) شعری متن کیلئے دیکھیے علی شریعتی *Hajj* ص ۱۰۹، ۱۶۰

(۳) ایضاً ص ix (تعارف)

(۴) حج کے سفر ناموں کی روایت مشمولہ ''۱۹۷۸ء کے بہترین مقالات'' (مرتبہ سجاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقوی) ص ۱۵۔

(۵) سفر حجاز، بار چہارم ص ۲۶

(۶) ایضاً، ص ۸۴۔۸۵

(۷) *Hajj* ص ۸

(۸) سفر حجاز، ص ۱۹۔۲۰

(۹) مولانا حسرت موہانی کے مولانا دریابادی کے نام مخملہ مذکورہ خط کے کئی اور غیر مطبوعہ مکاتیب بھی راقم کے پاس محفوظ ہیں۔

(۱۰) دیار عرب میں چند ماہ، ص ۷۔

(۱۱) سفر حجاز، ص ۱۹۳۔

سیمینار کی آخری نشست میں رابطہ ادب اسلامی، پاکستان کے عہدیداران (دائیں سے بائیں) ڈاکٹر محمود احسن عارف، ڈاکٹر ظہور احمد اور حافظ فضل الرحیم۔

© rasailojaraid.com